E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 01 - Ghazal, Qaseedah Aur Rubayee

Module Name/Title : Ghalib Ki Ghazal Goi

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE, MANUU / Dr. Mosarrat Jahan
PRESENTATION	Dr. Mosarrat Jahan
PRODUCER	M. Md. Ghouse

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی: 8 اسداللہ خان غالب ۔حیات، غزل گوئی

ساخت

8.1 تمہید
8.2 غالب کے حالاتِ زندگی
8.3 غالب کی غزل گوئی
8.4 غالب کی غزلیں
8.4.1 غزل ۔ ۱
8.4.2 غزل ۔ ۲
8.4.3 غزل ۔ ۳
8.4.4 غزل ۔ ۴
8.5 دو اشعار کی تشریح
8.6 خلاصہ
8.7 نمونہ امتحانی سوالات
8.8 فرہنگ
8.9 سفارش کردہ کتابیں

8.1 تمہید

گذشتہ اکائی میں ہم نے خواجہ حیدر علی آتش کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی۔ان کی غزل گوئی کا سیر حاصل جائزہ لیا اور آتش کی چار غزلیں بھی پیش کیں۔غزل کے دو اشعار کی تشریح بھی کی گئی کہ آپ کو آتش کی غزلوں کو سمجھنے میں مدد ملے۔مجموعی طور پر آپ نے آتش کی غزل کی خصوصیات سے آ گہی حاصل کی۔یہ اکائی اردو کے ایک عظیم شاعر غالب کے بارے میں ہے۔اس اکائی میں ہم غالب کی حیات کے بارے میں بتائیں گے۔ان کی غزل گوئی کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔آپ غالب کی چار غزلوں کا مطالعہ کریں گے۔بہ طور نمونہ دو اشعار کی تشریح بھی کی جائے گی۔ہم اس اکائی کا خلاصہ پیش کریں گے۔سوالات بہ طور نمونہ درج کیے گئے ہیں۔فرہنگ کے تحت نئے الفاظ کے معنی دیے ہیں اور آپ کے مزید مطالعے کے لیے سفارش کردہ کتابوں کی فہرست دی جارہی ہے۔

8.2 غالب کے حالاتِ زندگی

مغل سلطنت کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا لیکن غروب ہوتے ہوئے بھی لعلِ بدخشاں کے جو ڈھیر اس آفتاب نے چھوڑے ان میں سے ایک کو دنیا اسد اللہ خاں غالب کے نام سے جانتی ہے۔یہ زمانہ اگر چہ مغلیہ سلطنت کے سقوط کا تھا لیکن اردو شاعری کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔بہادر شاہ ظفر نے اگر چہ برائے نام بادشاہ تھے لیکن علم و فن کے قدر داں تھے ادبی نورتنوں کو اپنے ہاں جمع کر رکھا تھا۔پھر جہاں تک شعر و ادب کا تعلق ہے دہلی تو ایسی دلی تھی کہ چشمِ فلک نے پھر کبھی ایسی دلی نہیں دیکھی ہوگی۔غالب 'ظفر' شاہ نصیر' مولوی فضل حق خیر آبادی' ذوق' مومن' امام بخش صہبائی' میر مہدی مجروح' ہر گوپال تفتہ' شیفتہ' حالی' ہر ایک دُرِ نایاب' اپنی مثال آپ اور بے بدل تھا۔

غالب نے ہر چند کہ 13-1812 سے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی لیکن ان کا دلی آنا جانا تو اسی وقت سے تھا جب وہ سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34. IMC LIBRARY

غالب کے آباواجداد کا وطن نہ تو دلی تھا اور نہ آگرہ۔ کہتے ہیں ان کے دادا مرزا قوقان بیگ، جو تورانی نسل سے تعلق رکھتے تھے، سمرقند کے رہنے والے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے تیسرے حملے (دسمبر 1751ء تا مارچ 1752ء) سے ہندوستان ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ مرزا قوقان بیگ تلاشِ معاش میں یہاں آئے۔ پہلے تو وہ لاہور میں نواب معین الملک کے ہاں ملازم رہے پھر عالم گیر کے عہد میں دہلی پہنچے اور ڈیڑھ دو سال بعد شاہ عالم کی شہزادگی کے عہد میں شاہی ملازم ہوئے۔ پھر نجف خان کی ملازمت اختیار کی، بعدازاں وہاں سے مستعفی ہو کر مہاراجہ جے پور کے یہاں ملازم رہے۔ اس طرح آگرہ ان کی جائے سکونت بنا۔ میرزا قوقان بیگ کی شادی 1763ء میں ہوئی اور غالب کے والد میرزا عبداللہ بیگ خاں 1765ء میں دہلی میں پیدا ہوئے جن کی شادی آگرے میں 1793ء میں خواجہ غلام حسین خاں کمیدان کی دختر عزت النسا بیگم سے ہوئی۔ ان کے بطن سے 27 دسمبر 1797ء مطابق 8 رجب المرجب 1212ھ کو غالب پیدا ہوئے۔ میرزا عبداللہ بیگ خاں نے کبھی حیدرآباد میں ملازمت کی تھی، بعدازاں وہ ریاستِ الور کی فوج میں ملازم ہوئے۔ 1801ء میں الور میں ایک گڑھی کے زمیندار سے مقابلہ کرتے ہوئے انھیں گولی لگ گئی اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی تدفین الور ہی میں عمل میں آئی۔

والد کے انتقال کے بعد غالب کی پرورش ان کے چچا مرزا نصراللہ بیگ خاں نے کی۔ مرزا نصراللہ بیگ خاں مرہٹوں کی طرف سے آگرے کے قلعہ دار تھے۔ 1806ء میں کسی معرکے میں تھے کہ ہاتھی سے گر کر زخمی ہوئے اور یہی حادثہ ان کے انتقال کا سبب بنا۔ اس وقت غالب کی عمر صرف (9) برس کی تھی۔ ایسے میں ان کی پرورش ان کے ننھیال میں ہونے لگی۔ مرفہ الحالی تو تھی ہی، مزید یہ کہ لاڈ پیار نے انھیں باضابطہ تعلیم و تربیت سے دور رکھا۔ غالب کا یہ دور خاصی رنگ رلیوں اور لہو و لعب میں گزرا۔ ویسے انھوں نے ایک مختصر سی مدت کے لیے سہی آگرے کے مولوی معظم کے مکتب میں تعلیم حاصل کی تھی لیکن زبان و بیان اور شعر و ادب پر اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث قدرت حاصل کی۔ غالب ابھی تیرہ برس ہی کے تھے کہ الٰہی بخش خاں معروف کی چھوٹی بیٹی امراؤ بیگم سے 19 اگست 1810 مطابق 17 رجب المرجب 1225ء کو دہلی میں ان کا نکاح ہو گیا۔ دو ایک سال تو کچھ یوں ہی آنا جانا رہا، 1812-13 سے غالب نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

غالب آگرے میں ہوتے تو یقیناً وہ علمی و ادبی صحبتیں انھیں میسر نہ آتیں جو دہلی جیسے عالم میں انتخاب شہر میں انھیں حاصل ہوئیں۔ غالب نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروف اپنے زمانے کے نامور شاعر تھے اور اہل اللہ میں شمار ہوتا تھا۔ معروف کے بڑے بھائی والیِ لوہارو نواب فخر الدولہ دلاور الملک احمد بخش خاں رستم جنگ اور ان کے بڑے صاحبزادے ضیاء الدین احمد خان نیّر 'رخشاں' دہلی کے آفتابوں اور ماہتابوں میں تھے۔ ادھر فضل حق خیرآبادی تھے جن کی صحبت نے غالب کی شخصیت کو نکھار دیا۔ اسی زمانے میں مالی پریشانیاں بھی افزوں ہونے لگیں۔ غالب کو نصراللہ بیگ خاں کے وارثوں میں ہونے کی وجہ سے ان کی جاگیر سے حصہ ملتا تھا اور یہی غالب کی آمدنی تھی۔ نصراللہ بیگ خاں کے انتقال کے بعد یہ جاگیریں نواب احمد بخش خاں کے علاقے میں شامل ہو گئیں اور جب انھوں نے اپنی جاگیروں کو اولاد میں تقسیم کیا تو غالب کے حصے کی تقسیم شمس الدین احمد خان، رئیس فیروز پور کے ذمے کی گئی۔ غالب کی شمس الدین احمد خان سے پہلی ہی سے ان بن تھی اور اب جاگیر کے حصے کی تقسیم میں ان کا رویہ نامناسب رہا تو غالب نے مقدمہ دائر کرنے کی ٹھانی اور اس مقصد کے لیے کلکتہ کا سفر کیا جو ان دنوں ہندستان کا صدر مقام تھا۔ غالب کے سفرِ کلکتہ کی داستان طویل ہے۔ غالب فروری 1828 میں کلکتہ پہنچے۔ اپنے اس سفر میں انھوں نے فیروز پور اور فرخ آباد کے علاوہ لکھنؤ اور بنارس میں بھی قیام کیا جس کے اثرات ان کی شخصیت اور شاعری پر ملتے ہیں۔

غالب کو کلکتے میں اپنی پنشن کے سلسلے میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی لیکن ادبی اور ثقافتی طور پر ایک کشادہ منظر ان کے سامنے رہا۔ کلکتے میں غالب نے ایک نئی دنیا دیکھی۔ انگریزی تہذیب، سائنسی ایجادات اور صنعتی ترقیوں کے نتائج اور ثمرات ان کے سامنے تھے۔ اس کا اظہار انھوں نے تفصیل کے ساتھ ''آئینِ اکبری'' کے لیے تحریر کردہ اپنی تقریظ میں کیا ہے۔ اس مشہور غزل میں بھی کلکتے کا دل کش تذکرہ کیا ہے جس کا مطلع ہے:

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر مرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

غالب کو کلکتے میں ذہنی پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مرزا قتیل سے معرکہ آرائی سفرِ کلکتہ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس ضمن میں غالب کو جس کرب سے گزرنا پڑا اس کا تھوڑا بہت اندازہ ان کی فارسی مثنوی ''بادِ مخالف'' کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ سفرِ کلکتہ کے دوران انھوں نے بنارس میں بھی قیام کیا۔ مثنوی 'چراغِ دیر' ان کی بنارس کی یادوں کی دستاویز ہے۔ غرض غالب نے کلکتے میں پایا کم اور کھویا زیادہ اور یوں لٹے لٹائے 29 نومبر 1829ء کو دہلی

واپس ہوئے۔ البتہ ان کا سفرِ کلکتہ ان کی شخصیت اور شاعری کو نیا رخ دینے میں کامیاب رہا۔

مالی اور معاشی معاملات کا جہاں تک تعلق ہے' ایسا لگتا ہے کہ غالب کا مقدر گہنا چکا تھا۔ دہلی میں ان کے لیے فضا سازگار نہیں تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ یہاں قرض دار موجود تھے جن سے وہ چھپتے چھپاتے رہے۔ شمس الدین احمد خاں کو پھانسی کا باعث اور سہی لیکن غالب سے ان کی عداوت کی روشنی میں اہل دہلی غالب پر بھی شبہ کرتے تھے۔

1840 ء کی بات ہے کہ غالب کو دہلی کالج میں فارسی کی پروفیسری کا پیش کش کیا گیا لیکن انھوں نے اس منصب کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ جب وہ انٹرویو کے لیے پہنچے تو پرنسپل نے جس سے غالب کے ذاتی مراسم تھے' سواری تک آ کر ان کا استقبال نہیں کیا۔ پرنسپل کا کہنا تھا کہ غالب اس وقت ملازمت کے لیے امیدوار کی حیثیت سے آئے تھے' ذاتی طور پر ان کے استقبال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

غالب کو ابتدائی عمر سے شطرنج اور چوسر کھیلنے کی عادت تھی اور بسا اوقات وہ بازی بد کر کھیلا کرتے تھے۔ یہی نہیں وہ اپنے گھر میں لوگوں کو جوا بھی کھلایا کرتے تھے جو خلافِ قانون اور لائقِ تعزیر تھا۔ اس بارے میں کسی نے مخبری کر دی۔ غالب گھر پر جوا کھلانے کے الزام میں اگست 1841ء میں گرفتار کیے گئے۔ عدالت نے انھیں (100) روپے جرمانے اور عدم ادائی جرمانہ کی صورت میں چار ماہ قید کی سزا سنائی۔ جرمانہ ادا کیا گیا اور بات آئی گئی ہوگئی لیکن ابھی چند سال ہی گزرے تھے کہ گھر پر جوا خانہ قائم کرنے کے الزام میں غالب 25 مئی 1847ء کو دوبارہ گرفتار کر لیے گئے۔ اس بار انھیں چھ ماہ کی قید اور (200) روپے جرمانہ کی سزا ہوئی (50) روپے ادا کرنے پر مشقت معاف کر دی گئی اور احباب کے اثرات اور مجسٹریٹ کی سفارش پر صرف تین ماہ قید میں رہنے کے بعد غالب رہا کر دیے گئے۔ غالب کے لیے یہ بڑا پشیمانی کا دور تھا تاہم ان کی ادبی منزلت کم نہ ہوئی۔

کچھ تو انگریزی حکومت کے وظیفہ خوار ہونے کی وجہ سے اور کچھ درباری رنگ ڈھنگ کے باعث غالب کے دربار سے مراسم پیدا نہیں ہوئے تھے اور جب انگریز قلعے کے معاملات میں دخیل ہوتے گئے تو غالب کے لیے بھی دربار میں باریابی کی صورت نکل آئی اور وہ 4 جولائی 1850 کو بہادر شاہ ظفر کے دربار میں پیش ہوئے۔ انھیں چھے پارچے اور تین رقم جواہر کا خلعت اور نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ ان کی ماموری خاندانِ تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر عمل میں آئی اور تنخواہ 600 روپے سالانہ قرار پائی۔

غالب کی زندگی اب بدلے ہوئے دھارے پر آگے بڑھ رہی تھی۔ جہاں تک دنیاوی آرام و آسائش' جاہ و منصب اور مال و دولت کا تعلق تھا' غالب کو اپنے معیار کے مطابق حاصل نہیں ہوا تھا۔ تاہم حالات بہتر ہو چکے تھے۔ اسی دوران 15 نومبر 1854ء کو استادِ شاہ ذوق کا انتقال ہو گیا۔ اب بہادر شاہ ظفر نے اپنا کلام غالب کو دکھانا شروع کیا اور یوں غالب استادِ شاہ بن گئے۔ ان کی مرتبت میں اضافہ ہوا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ حالات نے اچانک نازک موڑ لیا اور 10 مئی 1857ء کو شہر میرٹھ سے پہلی جنگِ آزادی کا آغاز ہوا...... گویا ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ رہا' زندگی کے لینے دینے پڑ گئے غالب نے وہ دیکھا جو انھوں نے سوچا نہیں تھا۔ 20 ستمبر 1857ء کو انگریزوں نے دہلی پر مکمل قبضہ کر لیا۔ قلعے کی تنخواہ تو بند ہونا ہی تھی' انگریزوں سے ملنے والی پنشن بھی بند ہوگئی۔ غالب کی بیوی امراؤ بیگم نے اپنے زیورات اور قیمتی ملبوسات جو میاں کالے کی کوٹھی میں حفاظت کے لیے بھیجے تھے وہ سب لٹ گئے۔ روزمرہ کی ضروریات کے لیے انھیں برتن اور کپڑے فروخت کرنے پڑے۔ غالب گوشہ نشین ہوگئے لیکن شعر و ادب سے اپنے رشتے کو انھوں نے استوار رکھا۔ تنہائی کو دور کرنے کے لیے قلم سنبھالا اور ''دستنبو'' لکھی جو پہلی جنگِ آزادی کے حالات پر مشتمل ہے۔ ''دستنبو'' کی اشاعت اوائل نومبر 1858ء میں عمل میں آئی۔ اسی کے ساتھ انھوں نے فارسی کی مشہور لغت ''برہانِ قاطع'' کی غلطیاں قلم بند کیں اور اپنی کتاب کا نام ''قاطعِ برہان'' رکھا جو اوائل 1862ء میں شائع ہوئی۔

غالب کے نواب رام پور سے مراسم 1857 کے ہنگاموں سے بہت پہلے سے تھے۔ نواب رام پور یوسف علی خاں جو اپنے بچپن میں قیامِ دہلی کے زمانے میں غالب سے فارسی پڑھ چکے تھے' اب ان سے اپنے کلام پر اصلاح لینے لگے۔ وہ کبھی کبھار کچھ رقم بھیج دیا کرتے تھے۔ غالب نے جب اپنی کس مپرسی سے نواب رامپور کو واقف کروایا اور مستقل وظیفے کی درخواست کی تو انھوں نے 10 جولائی 1859ء سے غالب کے نام 100 روپے ماہانہ وظیفہ جاری کر دیا جو غالب کو تاحینِ حیات ملتا رہا۔ رامپور سے مراسم غالب کے لیے کئی اعتبار سے سودمند رہے۔ انگریزوں نے غالب کی پنشن بند کر دی تھی۔ غالب نے ممکنہ کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ تب انھوں نے نواب رامپور کی وساطت سے انگریزوں تک اپنی صفائی پہنچائی۔ چنانچہ غالب نے جن کو نواب رام پور نے کئی مرتبہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی' 17 جنوری 1860ء کو رام پور پہنچے اور تین ماہ قیام کے بعد 24 مارچ کو دہلی واپس

ہوئے۔ان کا یہ سفر ہر اعتبار سے کامیاب رہا۔نہ صرف پنشن جاری ہوگئی بلکہ تین سال کا بقایا ساڑھے سات سو روپے سالانہ کے حساب سے 2250 روپے مل گیا اور مارچ 1863ء میں دربار وخلعت کا اعزاز بھی بحال ہوگیا۔یوں رام پور سے غالب کا رشتہ اور مضبوط ہوگیا۔غالب نے نواب یوسف علی خان کے احسانات کو فراموش نہیں کیا۔اس کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ جب 21 اپریل 1865ء کو نواب صاحب کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں جانشین ہوئے تو تہنیت کے لیے غالب نے رام پور کا سفر کیا۔یہ غالب کا دوسرا سفر رام پور تھا۔اس بار وہ 12 اکتوبر 1865ء کو رام پور پہنچے اور 8 جنوری 1866ء کو دہلی واپس ہوئے۔واپسی میں دریائے رام گڑھ میں باڑھ آجانے اور پل کے بہہ جانے کی وجہ سے ان کو بڑی پریشانی ہوئی۔موسم کی سردی وہ برداشت نہیں کرسکے اور بیمار پڑ گئے۔نقاہت میں بہ تدریج اضافہ ہوتا گیا جس کے نتیجے میں اور امراض کا شکار ہوئے۔کہا جاتا ہے کہ انتقال کے چند روز قبل غشی کے دورے پڑنے لگے تھے۔14 فروری 1869ء کو دوپہر سے بے ہوشی رہی'تشخیص ہوئی کہ دماغ پر فالج کا حملہ ہوا ہے' لگ بھگ چوبیس گھنٹے یہی کیفیت رہی اور آخر 15 فروری 1869ء کو دن ڈھلے غالب نے آخری سانس لی اور خاندان لوہارو کے قبرستان بستی حضرت نظام الدین اولیاؒ میں تدفین عمل میں آئی۔حالی کے الفاظ میں:

شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
اک روشن دماغ تھا نہ رہا

اپنی معلومات کی جانچ : 2

1. غالب کے آباواجداد کب اور کہاں سے ہندوستان آئے تھے؟
2. غالب کے والدین کے نام لکھیے۔
3. غالب کی شادی کب اور کس سے ہوئی؟

8.3 غالب کی غزل گوئی

غالب کی شخصیت جامع الصفات تھی وہ ایک شاعر کی حیثیت سے معروف تو ہیں ہی'ایک نثر نگار کی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بلند ہے۔ان کے خطوط' اردو میں جدید نثر کا سنگ بنیاد ہیں۔اس کے علاوہ بھی ان کی چند ایک کتابیں ہیں۔شاعری میں غالب نے قصیدے لکھے اور مثنویاں وغیرہ بھی لیکن جس صنف کی وجہ سے غالب' غالب ہیں وہ ان کی غزل ہے۔دیوانِ غالب کا زیادہ تر حصہ غزلوں پر مشتمل ہے۔''دیوانِ غالب'' کا پہلا ایڈیشن اکتوبر 1841ء میں مطبع ''سیدالاخبار' دہلی سے شائع ہوا جب کہ لگ بھگ آٹھ سال قبل 1833ء میں غالب اس کو مرتب کرچکے تھے۔اس کے بعد غالب کی زندگی میں ان کے دیوان کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔

غالب کو فارسی اور اردو' دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔انھیں اردو سے زیادہ اپنی فارسی دانی پر فخر تھا۔انھوں نے کبھی اپنی فارسی شاعری پر ناز کرتے ہوئے اردو شاعری کو 'بے رنگِ من است' کہا تو کبھی اردو شاعری کو رشکِ فارسی قرار دیا۔ابتدا میں وہ فارسی شاعر بیدل کی پیروی کرتے تھے:

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا اسد اللہ خاں قیامت ہے

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنے کے باعث ان کے کلام میں فارسی کی آمیزش زیادہ ہوئی' ابہام اور اشکال بھی پیدا ہوئے' معمائی کیفیت بھی در آئی۔مثلاً یہ اشعار:

شمارِ سبحہ ' مرغوب بتِ مشکل پسند آیا — تماشائے بہ یک کف بردنِ صد دل پسند آیا
قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ — اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

اس نوع کی شاعری نے غالب کے کلام میں چیستانیت اور الجھاؤ کی کیفیت پیدا کردی اور لوگ کہنے لگے کہ یہ اپنا کہا آپ سمجھیں یا خدا سمجھے۔ابتداً

غالب نے اس بات کو یہ کہہ کر اڑا دیا کہ

نہ ستائش کی تمنا ، نہ صلے کی پروا　　　نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

لیکن بعد میں ان کے قریبی احباب جن میں مولانا فضل حق خیر آبادی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، غالب کو اس مشکل پسندی سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ان کی بعد کی غزلوں میں مشکل پسندی کم ہوگئی اور بالعموم ان کے کلام میں سادگی، سلاست اور روانی کا احساس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے

☆☆

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی　　　میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

☆☆

کوئی امید بر نہیں آتی　　　کوئی صورت نظر نہیں آتی

☆☆

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا　　　جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

☆☆

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا　　　آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

☆☆

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے　　　بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

☆☆

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے　　　ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے

☆☆

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا　　　اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

☆☆

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے　　　ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

غالب کی کامیابی کا باعث ان کی صرف عام فہم الفاظ، تراکیب اور سیدھے سادے طرز کی شاعری نہیں بلکہ مجموعی طور پر ان کا ڈکشن ہے جو پڑھنے والوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ الفاظ کا انتخاب، مصرعوں کا دروبست، زندگی اور زمانے کے تعلق سے ان کا رویہ، انسانی جذبات واحساسات کا درک، ان کے اشعار کی معنویت اور تہہ داری، ان کا پیرایۂ اظہار اور ان کا اندازِ بیان، ان کے کلام کو وزن و وقار بھی عطا کرتا ہے اور مقبولیت اور محبوبیت بھی۔ غالب کو الفاظ کے انتخاب میں بڑا کمال حاصل تھا۔ ہر چند کہ انھوں نے کہا ہے:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں　　　غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

لیکن ان مضامین کو اشعار کی صورت میں پیش کرنے کے لیے الفاظ کے انتخاب کا ہنر کچھ ان ہی کو آتا تھا۔ غالب الفاظ کے مزاج شناس تھے۔ ان کا دعویٰ بے جا نہیں کہ:

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے　　　جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو دیوانِ غالب کے پہلے شعر ہی پر نظر پڑتی ہے

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ہمارے شارحین نے اس شعر کی جو تشریحات کی ہیں اور جو نئے نئے معانی نکالے اور مفاہیم پیدا کیے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے اس شعر میں معنی و مفہوم کی ایک دنیا آباد کردی ہے۔ ذیل کے اشعار میں بھی غالب کا یہ ہنر نمایاں ہے:

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی — عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

☆☆

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

☆☆

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام — مہرِ گردوں ہے چراغِ رہ گزارِ بادِ یاں

☆☆

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مے خانہ خالی ہے

غالب کے کلام کی ایک اور اہم خصوصیت ان کا اندازِ بیان ہے۔ اپنے اندازِ بیان پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

غالب کا اندازِ بیاں ہی ہے جس نے ایک عالم کو گرویدہ کرلیا ہے۔ ان کے اشعار کا ڈکشن منفرد ہے۔ اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ غالب کے ہاں فکر اور موضوع کچھ اس طرح ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کہ ان کے اسلوب میں طرح داری بھی پیدا ہو جاتی ہے اور تہہ داری بھی۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے جن میں ندرتِ خیال بھی ہے اور اندازِ بیان کی شگفتگی اور شستگی بھی:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا — ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

☆☆

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی — بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

☆☆

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا — وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو

☆☆

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج — شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

☆☆

عشرتِ قتل گہہ اہلِ تمنا مت پوچھ — عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

غالب نے کسی خاص فلسفے یا نظریے کو اختیار نہیں کیا۔ زندگی کے مختلف نظریوں، فلسفوں پر ان کی نظر ضرور تھی جن سے وہ متاثر بھی ہوئے لیکن حیات و کائنات کے بارے میں ان کی فکر خود ان کے اپنے مشاہدات و تجربات کا نچوڑ ہے۔ زندگی کو انھوں نے ہر رنگ میں دیکھا، اس کا جائزہ لیا اور اس کے تعلق سے ایک باشعور انسان کی طرح ردِ عمل کا اظہار کیا۔ تصوف کے مسائل کے تعلق سے بھی ان کا یہی حال رہا۔ ان کے عہد میں تصوف کو زندگی کی ایک اہم قدر کی حیثیت حاصل تھی۔ صوفیانہ مسائل اور موضوعات پر غالب کی نگاہ تھی۔ انھوں نے ''یہ مسائل تصوف اور ترا بیان غالب'' کہہ کر تصوف سے اپنی دل چسپی کا اظہار بھی کیا ہے لیکن تصوف ان کے ہاں ''برائے شعر گفتن خوب است'' کی حد تک تھا۔ ویسے وہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ تصوف کے

بارے میں عام سوالات پر انھوں نے نشان لگا دیا ہے۔ چونکہ ان کا مطالعہ وسیع تھا' نظر میں گہرائی تھی اور بات کرنے کے ہنر سے واقف تھے اس لیے وہ جو بات بھی کہہ جاتے تھے' متوجہ کرتی تھی۔ اس پس منظر میں ذیل کے اشعار کا مطالعہ کیجیے:

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۔۔۔ حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

☆☆

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں ۔۔۔ ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

☆☆

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر ۔۔۔ ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

☆☆

جب وہ جمالِ دل فروز صورتِ مہر نیم روز ۔۔۔ آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

غالب پکّے صوفی شاید اس لیے بھی نہیں بن سکے کہ انھوں نے دنیا اور علائق دنیا سے خود کو دور نہیں رکھا۔ انھیں اپنی پنشن کی بھی فکر تھی' دربار میں اعزاز و اکرام حاصل کرنا چاہتے تھے' اچھی شراب کی بھی خواہش تھی اور شہرت و ناموری کی بھی۔ ظاہر ہے ایسا شخص علمِ تصوف سے آگہی رکھنے کے باوجود صوفی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے مسائل پر گہری نظر ڈالی اپنے اطراف و اکناف کی زندگی' اپنے ماحول' اپنے عہد کی تہذیب و معاشرت' سیاست اور اپنے زمانے کی دلی کے بارے میں خوب خوب لکھا۔ ان کے خطوط میں تو یہ باتیں صاف صاف اور دوٹوک پیرائے میں ملتی ہیں لیکن ان کی غزلوں میں بھی ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں ان کے عہد کے انتشار و اختلال' بے چینی و بحران' کشمکش اور آویزش کی ترجمانی ہوتی ہے۔ غالب نے زیست ہی نہیں کی' زیست کو برتا اور آزمایا بھی۔ غالب کے دور کی تاریخ' مغلیہ سلطنت کے زوال اور معاشرت کے زیر و زبر کو ذہن میں رکھیے' ان اشعار کی معنویت فزوں ہو جائے گی:

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن ۔۔۔ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

☆☆

زندگی اپنی جب اس ڈھنگ سے گزری غالب ۔۔۔ ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

☆☆

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل ۔۔۔ انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

☆☆

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے ۔۔۔ غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

☆☆

قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہے ۔۔۔ جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

غمِ عشق اور غمِ روزگار کے شدائد کے باوجود غالب نے اپنی شخصیت کو سنبھال کر رکھا۔ انھوں نے آفات و مصائب برداشت کیے' ایک غیر یقینی صورتِ حال کا سامنا کیا' شعر و ادب کے میدان میں مخالفتیں برداشت کیں لیکن بکھر نہیں گئے' ان کی شخصیت ٹوٹی نہیں وہ ایک مکمل اور پورے آدمی رہے۔ ان کی خوش طبعی' مزاج کی شوخی اور طبیعت کی شگفتگی نے انھیں ناموافق حالات اور زندگی کے پیچ و خم سے گزرنے کا سلیقہ دیا۔ انھوں نے اپنے اشعار میں کئی جگہوں پر غم و اندوہ کی کیفیات اور احساسِ ذلت و ندامت کو ہنستے ہنستے ٹال دیا ہے۔ ''دیوانِ غالب'' میں ایسے کئی اشعار مل جائیں گے: مثلاً

دے وہ جس قدر ذلت' ہم ہنسی میں ٹالیں گے ۔۔۔ بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

☆☆

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے ۔۔۔ اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

کہاں مے خانے کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ　　　پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

☆☆

ہے خبر گرم ان کے آنے کی　　　آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

☆☆

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد　　　آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

غالب نے غزل کے علاوہ اور اصناف میں بھی طبع آزمائی کی۔ انھوں نے قصیدے، مثنوی، رباعیات، قطعات اور مرثیے بھی لکھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ غزل اور صرف غزل کے شاعر تھے۔ بہ قول رشید احمد صدیقی غزل اگر اردو شاعری کی آبرو ہے تو غالب اردو غزل کی آبرو ہیں۔ انھوں نے اردو غزل کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، غزل میں گہرائی پیدا کی، اس کو ایک تنوع سے آشنا کیا، اس کے درون میں ایک چمک اور مہک پیدا کی، خارجی طور پر تشبیہات و استعارات اور اشارات کے استعمال اور لہجہ و بیان کی طرفگی سے اس کی صورت ہی بدل دی۔ غالب نے اپنی شعر گوئی کے ابتدائی دور میں جب ان پر فارسی شعرا کا اثر تھا، مشکل اور دور از کار اور ادق تشبیہات، استعارات اور تلمیحات وغیرہ ضرور استعمال کیے لیکن جیسے جیسے انھوں نے سادگی کو اختیار کیا ان کے ہاں سہل، رواں دواں اور عام فہم تشبیہات، استعارات اور اشارات وغیرہ ملتے ہیں۔ اس رویّے نے ان کی غزل کی دل کشی اور محبوبیت میں اضافہ کرتے ہوئے اس کی مقبولیت کے دائرے کو بہ غایت وسیع کر دیا۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی　　　بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

☆☆

دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا　　　موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

☆☆

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند　　　گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

☆☆

کیا کیا خضر نے سکندر سے　　　اب کسے رہنما کرے کوئی

☆☆

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی　　　اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اسی کے ساتھ یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ غالب نے جہاں اردو شاعری کی روایت کی پابندی کی خود ان کی غزل اردو شاعری کی ایک روایت بن گئی، ایک منفرد آواز بن گئی جس کی ایک الگ پہچان ہے۔ غالب کی شاعری آنے والے دور کی بشارت اور نوید کی حیثیت رکھتی ہے۔ غالب کا ہمارے دور کے شاعروں پر نمایاں اثر ہے۔ غالب کے فن سے آج بھی خوشہ چینی کی جاتی ہے۔ ترقی پسند تحریک، اس کے بعد جدیدیت اور پھر آج کے دور کے شاعروں کے کلام کا مطالعہ کیجیے بالخصوص غزل کا تو معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں غالب کے کلام کی بازگشت اور اس کے اثرات ہیں۔

غالب کی شخصیت ہو کہ شاعری اتنی تہہ در تہہ، ایسی پہلو دار، ہمہ جہت اور طلسمی ہے کہ اس کی تفہیم جس قدر عام اور وسیع ہوتی جائے گی، ایسے گوشے سامنے آئیں گے جن کے بارے میں سوالات قائم کیے جا سکیں گے اور محققین، ناقدین اور شارحین کے لیے ایک نیا مواد، نیا افق اور ایک نئی دنیا سامنے آتی رہے گی اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

اپنی معلومات کی جانچ :

1. غالب نے فارسی کے کس شاعر کی پیروی کی اور اس کا اثر ان کے کلام میں کیسے ظاہر ہوا؟
2. غالب کے کلام میں تصوف کے بارے میں لکھیے۔

8.4 غالب کی غزلیں

آپ نے غالب کی زندگی کے حالات کے بارے میں آگہی حاصل کی اوران کی غزل گوئی کی خصوصیات سے بھی واقف ہوئے، آپ نے اپنی معلومات کی جانچ بھی کی۔ اب ہم غالب کی چار غزلیں آپ کے مطالعے کے لیے پیش کریں گے اور نمونے کے طور پر غالب کے دو اشعار کی تشریح بھی کی جائے گی۔

8.4.1 غزل ۔ ۱

درد منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا ' برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو — اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہے خبر گرم ان کے آنے کی — آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

جان دی ' دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

8.4.2 غزل ۔ ۲

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا — دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز — پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگی ہائے تمنا یعنی — پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی — کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

8.4.3 غزل ۔ ۳

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک — کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب — دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن — خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل — گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

8.4.4 غزل ۔ ۴

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

ہم مؤحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہوگئیں

8.5 دو اشعار کی تشریح

۱۔ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

غالب کہتے ہیں کہ ہم نے جان دے دی یعنی مر گئے لیکن اپنے مرنے کا غم اس لیے نہیں کرتے کہ خدائے تعالیٰ نے ہم کو زندگی دی تھی۔ جان خدا کی عطا تھی۔ اگر خدا نے ہماری جان لے لی ہے تو اس کی مرضی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ہم کو زندگی کا جو حق ادا کرنا تھا وہ حق ہم سے ادا نہیں ہو سکا۔ ہم نے احکامِ خداوندی کے مطابق جیسی زندگی گزارنی تھی ویسی زندگی نہیں گزاری۔ ہم نے ذمہ داری پوری نہیں کی۔ افسوس اس کا کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنا حق ادا نہیں کیا

۲۔ رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

انسان کی فطرت ہے کہ وہ کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے چنانچہ رنج و غم کا بھی انسان عادی ہو جائے تو پھر رنج و غم سے وہ تکلیف ہی محسوس نہیں کرتا۔ گویا رنج اس کے لیے مٹ جاتا ہے، کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ غالب کہتے ہیں کہ مجھ پر بھی اتنی مشکلیں پڑیں کہ میں ان کا عادی ہو چکا ہوں۔ اب کوئی مشکل، مشکل ہی معلوم نہیں ہوتی۔ مشکلوں کو برداشت کرنا سہل اور آسان ہو چکا ہے۔

8.6 خلاصہ

اس اکائی میں ہم نے آپ کو غالب کی زندگی اور ان کی غزل گوئی کے بارے میں بتایا۔ تمہید کے تحت آپ نے اس اکائی کے خاکے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ غالب کی زندگی میں جو اتار چڑھاؤ آئے اور غالب کو جن نشیب و فراز سے گزرنا پڑا ان سے بھی آپ واقف ہوئے۔ غالب کی غزلوں کی خصوصیات سے آپ نے آگہی حاصل کی اور یہ بھی آپ نے معلوم کیا کہ غالب کی شاعرانہ عظمت کے کیا اسباب ہیں۔ آپ نے غالب کی چار غزلیں پڑھیں اور بہ طور نمونہ دو اشعار کا مطلب بھی ہم نے پیش کیا۔ آپ نے اپنی معلومات کی جانچ بھی کی۔ آخر میں امتحانی سوالات دیے گئے اور فرہنگ کے تحت مشکل الفاظ کے معنی۔ سفارش کردہ کتابوں کی فہرست بھی دی جا رہی ہے کہ آپ اپنے طور پر مطالعہ کر سکیں۔

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں لکھیے:

1. غالب کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالیے۔
2. غالب کی غزل گوئی کا جائزہ لیجیے۔

درج ذیل سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں لکھیے:

1. غالب کی زندگی کے اہم واقعات اختصار کے ساتھ لکھیے۔
2. غالب کے سفر کلکتہ کے بارے میں تحریر کیجیے۔

8.8 فرہنگ

الفاظ = معنی

- لعل = سرخ رنگ کے جواہر
- نصف النہار = دوپہر کا وقت
- معرکہ = جنگ
- خداداد = اللہ کی طرف سے، فطری
- معاندانہ = دشمنوں کی طرح
- مشقت = محنت
- کس مپرسی = جس میں کوئی حالت کا دریافت کرنے والا نہ ہو
- نقاہت = کمزوری، ناطاقتی
- چیستاں = معما، پہیلی
- تسخیر = قابو میں لانا، تابع کرنا
- خوشہ چینی = دوسروں کی تخلیق سے فائدہ اٹھانا

الفاظ = معنی

- بدخشاں = ایک شہر کا نام جہاں کے لعل مشہور ہیں
- مرفہ الحالی = خوش حالی
- افزوں = زیادہ
- لائق تعزیر = سزا کے قابل
- پرساں = دریافت کرنے والا
- جامع الصفات = جس میں تمام صفات موجود ہوں
- اِشکال = مشکل، دشواری
- علائق = بکھیڑے، تعلقات

الفاظ = معنی

- سقوط = گر پڑنا، جنگ ہارنا
- جاں بر = زندہ سلامت، محفوظ
- لہو ولعب = کھیل کود، سیر تفریح
- کرب = تکلیف، بے قراری
- مخبری = جاسوسی
- استوار = مضبوط
- جگر تشنہ = بہت پیاسا
- آمیزش = ملاوٹ
- پارکھ = پرکھنے والا

8.9 سفارش کردہ کتابیں

1. مجنوں گورکھ پوری — غالب، شخص اور شاعر
2. عبدالرحمٰن بجنوری — محاسنِ کلامِ غالب
3. حالی — یادگارِ غالب

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE LIBRARY * MANUU * HYDERABAD
Accn. No MA-01
Date 03.08.2011
INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34
IMC LIBRARY